باب نہم

اسلام کا عالمی غلبہ اور پاکستان

پاکستان کا معجزانہ قیام ——— قائداعظم کی غیر معمولی قیادت اور پاکستان کی تا حال خصوصی حفاظت وصیانت کی صرف ایک توجیہہ ممکن ہے اور وہ یہ کہ پاکستان اسلام کے عالمی غلبے کی خدائی تدبیر کے سلسلے کی اہم کڑی ہے۔

اِس قضیے (Proposition) یا نظریے (Theorum) کے دو اجزاء ہیں: ایک یہ کہ بالآخر اسلام پوری دنیا پر غالب آ کر رہے گا اور پورے کرۂ ارضی پر اسلام کی حکمرانی قائم ہو کر رہے گی ——— اور دوسرا یہ کہ اسلام کے اس عالمی غلبے (Global Domination) میں ایک اہم اور فیصلہ کن کردار (Crucial Role) پاکستان کو ادا کرنا ہے اور یہ گویا پاکستان کی تقدیر (Destiny) ہے۔

اِن میں سے جہاں تک پہلے جزو کا تعلق ہے، وہ بالکل یقینی اور اٹل ہے، اِس لیے کہ وہ قرآنِ حکیم سے بھی دلالۃً (By Inference) ثابت ہے اور متعدد احادیث صحیحہ میں تو صراحۃً مذکور ہے اور اِس کے ضمن میں گمان اور قیاس کا معاملہ صرف اِس مسئلے تک محدود ہے کہ ایسا کب ہو گا؟ ——— البتہ جہاں تک دوسرے جزو کا تعلق ہے تو وہ سراسر یا قیاس وگمان کا معاملہ ہے یا ذوق ووجدان کا۔ چنانچہ اِس کے ضمن میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ تاہم اِن سطور کے عاجز وناچیز راقم کا گمان غالب یہی ہے کہ اسلام کے عالمی غلبے کا نقطۂ آغاز یہی سرزمین بنے گی جس کا نام ''پاکستان'' ہے۔ گویا راقم کو علامہ اقبال کے اِس شعر سے اتفاق ہے کہ ؎

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے!

واللہ اعلم!

اسلام کے عالمی غلبے کی پیشین گوئی

اسلام کے عالمی غلبے کے ضمن میں قرآن حکیم میں وارد شدہ ''صغریٰ'' اور ''کبریٰ'' (Premises) سے جو لازمی اور منطقی نتیجہ حاصل ہوتا ہے، اُسی کی صریح اور واضح خبر پیشنگوئیوں کی صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل آپ ؐ کے اس فرض منصبی کا مظہر ہے کہ آپ ؐ قرآنِ حکیم کے مضمرات اور ارشادات کو کھول کر بیان فرمائیں۔ بفحوائے الفاظ قرآنی:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۝﴾

''(اے محمد ؐ) ہم نے یہ ذکر (قرآن) آپ ؐ کی جانب اِس لیے نازل فرمایا ہے کہ آپ ؐ وضاحت فرمائیں لوگوں کے لیے اُس چیز کی جو اُن کی جانب نازل کی گئی ہے۔'' (سورۃ النحل، آیت: ۴۴)

بعثت محمدیؐ کا لازمی نتیجہ: دین حق کا غلبہ

اسلام کے عالمی غلبے کے ضمن میں قرآنِ حکیم کا ''صغریٰ'' اور ''کبریٰ'' یہ ہے:

۱) قرآنِ حکیم میں مندرجہ ذیل الفاظ تین مقامات پر بغیر ایک شوشے کے فرق کے وارد ہوئے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾

''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمدؐ) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دین حق (اسلام) کے ساتھ تاکہ غالب کر دے اُسے کل کے کل دین (یا تمام ادیان) پر۔'' (سورۂ توبہ، آیت:۳۳، سورۂ فتح آیت:۲۸ سورۂ صف آیت:۹)

گویا خواہ یہ کہہ لیا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد غلبۂ اسلام ہے، خواہ یوں کہہ لیا جائے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے اِس اٹل فیصلے کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ آپؐ کے ذریعے دین حق یعنی اسلام کی صرف تبلیغ و دعوت ہی نہیں ہوگی، بلکہ اسلام کو بالفعل غلبہ و استیلاء حاصل ہو کر رہے گا۔ بہرصورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اسلام کا بالفعل غلبہ قرآنِ حکیم کی نص قطعی سے صراحتہً ثابت ہے۔

۲) دوسری طرف قرآنِ مجید نے ع

''اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں!''

کے مصداق مختلف اسالیب سے اِس حقیقت کو مبرہن اور واشگاف کر دیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کسی خاص قوم یا علاقے کی طرف نہیں بلکہ عالمی اور آفاقی ہے اور پوری نسل انسانی آپؐ کی اُمت دعوت میں شامل ہے۔ چنانچہ کہیں اِس حقیقت کو اِس طور سے بیان فرمایا کہ:

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾

''ہم نے نہیں بھیجا ہے آپؐ کو مگر تمام جہانوں (یا تمام جہان والوں) کے لیے رحمت بنا کر۔'' (سورۂ انبیاء، آیت:۷)

(واضح رہے کہ ''عَالَمِیْنَ'' کا ترجمہ ''تمام جہانوں'' کے علاوہ عربی گرامر کے اِس اُصول کے مطابق کہ کبھی ظرف کی جمع سے مراد مظروف کی جمع ہوتی ہے ''تمام جہانوں والے'' بھی ممکن ہے)۔ کہیں یہ بات اس انداز میں بیان ہوئی کہ آپؐ اگرچہ خود ''امیین'' یعنی بنی اسماعیلؑ میں سے ہیں، لیکن آپؐ کی بعثت صرف اُن کی جانب ہی نہیں بلکہ اُن کے ساتھ ساتھ ''اٰخرین'' یعنی دوسروں کی طرف بھی ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍO وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُO﴾ (سورۂ جمعہ، آیات:۲/۳)

''وہی ہے جس نے اٹھایا اَن پڑھوں میں ایک رسول اُنہی میں کا، پڑھ کر سناتا ہے اُن کو اُس کی آیتیں اور اُن کو سنوارتا ہے اور سکھاتا ہے اُن کو کتاب اور عقلمندی، اور اِس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں اور اُٹھایا اُس رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے واسطے بھی اُنہی میں سے جو ابھی نہیں ملے اُن میں۔ اور وہی ہے زبردست حکمت والا ہے۔''

اور کہیں بالکل صاف اور صریح الفاظ میں کہہ دیا گیا کہ:

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًاO﴾

''ہم نے نہیں بھیجا آپؐ کو مگر تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر۔'' (سورۂ سبا، آیت:۲۸)

قرآنِ حکیم کے اِس صغریٰ و کبریٰ کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کا غلبہ پورے عالم انسانی اور کل کرہ ارضی پر ہو کر رہے گا اور یہ وہ تقدیر مبرم ہے جو کسی صورت ٹل نہیں سکتی، بقول اقبال: ؎

تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے و لیکن
پیرانِ کلیسا کی دعا ہے کہ یہ ٹل جائے!

البتہ چونکہ قرآنِ حکیم کے اِس اٹل فیصلے تک رسائی حاصل کرنے کے لیے انسان کو کسی قدر منطق اور استدلال سے کام لینا پڑتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اُس مستقل فرمان کے مطابق جس کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے اِس کی صریح اور واضح الفاظ میں خبر دی ہے جناب صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

احادیث صحیحہ میں غلبہ اسلام کی پیشنگوئیاں

۱) امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں حضرت مقداد بن الاسودؓ سے یہ روایت فرمائی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ: ''روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا، نہ اُونٹ کے بالوں کے کمبلوں سے بنا خیمہ، جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل کر دے! خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر خواہ کسی بد بخت کی مغلوبیت کے ذریعے یعنی یا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو عزت عطا فرما دے گا اور کلمۂ اسلام کا قائل و حامل بنا دے گا یا اُنہیں مغلوب فرما دے گا کہ اسلام کے محکوم بن جائیں۔'' حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قولِ مبارک پر میں نے اپنے دل میں کہا: ''پھر تو (واقعتاً) دین کل کا کل اللہ ہی کے لیے ہو جائے گا۔'' (واضح رہے کہ حضرت مقدادؓ کے ان الفاظ میں اشارہ ہے سورۂ انفال کی آیت نمبر ۳۹ میں وارد شدہ ان الفاظ مبارکہ کی جانب کہ (ترجمہ) ''اور جنگ کرتے رہو ان سے یہاں تک کہ فتنہ بالکل فرو ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔''[۱]

[۱] ﴿وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ‌﴾

۲) امام مسلمؒ نے حضرت ثوبانؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے لیے کل زمین کو لپیٹ دیا گیا۔ چنانچہ میں نے اُس کے (تمام) مشارق و مغارب کو دیکھ لیا ——— اور یقیناً میری امت کی حکومت اُس پوری زمین پر قائم ہو کر رہے گی جو میرے لیے لپیٹی گئی۔''

راقم الحروف کے نزدیک قرآنِ حکیم کے ان واضح اشارات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صریح پیشنگوئیوں کے بعد بھی اگر کسی کے دل میں اسلام کے عالمی غلبے کے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی رہے تو یہ ایمان کے فقدان یا کم از کم شدید ضعف کی علامت ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تصریح

یہی وجہ ہے کہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' میں وجوب قیام خلافت پر بحث کرتے ہوئے جہاں بعض دوسری آیات کا بھی حوالہ دیا ہے وہاں سورۂ توبہ، سورۂ فتح، اور سورۂ صف کی محولہ بالا آیت پر تفصیلاً بحث کی ہے ——— اور اس کے اصل مفہوم کو متذکرہ بالا احادیث کی روشنی میں واضح کیا ہے، جس سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ بالآخر پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین کا غلبہ اُسی طرح ہو کر رہے گا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جزیرہ نمائے عرب پر ہو گیا تھا۔

مفکر و مصورِ پاکستان کی پیش بینی

اور یقیناً علامہ اقبال مرحوم نے بھی ؎

''آب روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کے خواب!''

کے مصداق باطن کی آنکھ سے اُسی ''آنے والے دَور کی دھندلی سی اک تصویر'' دیکھ لی تھی، جب یہ فرمایا تھا کہ:؎

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دِلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

تاریخ کا رُخ

علامہ اقبال نے ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں ابلیس کی زبانی ایک عظیم حقیقت کی نشاندہی فرمائی ہے ـــــــ یعنی ؎

جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے!

اس لیے کہ ہر وہ شخص جو ''آفاق میں گم'' ہو جانے کی کیفیت میں مبتلا نہ ہو اور ذاتی مسائل و معاملات سے قدرے بلند تر سطح پر تاریخ انسانی کے بہاؤ کے رُخ کا مشاہدہ کر سکتا ہو بادنیٰ تامل دیکھ سکتا ہے کہ واقعتہً تاریخ کا رُخ اسلام کے عالمی غلبے ہی کی جانب ہے اور قافلۂ انسانی اسی سمت مین رواں دواں ہے اس لیے کہ ایک طرف طبیعاتی علوم (Physical Sciences) ہیں، جو درجہ بدرجہ کثرت سے وحدت، گویا شرک سے توحید کی جانب پیش قدمی کر رہے ہیں، دوسری طرف عمرانیات (Social Sciences) ہیں جن کی تحقیق و جستجو چاروناچار اُسی رُخ پر آگے بڑھ رہی ہے کہ ابلیس کو اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ:؎

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں!

گویا قافلۂ انسانیت کشاں کشاں ''بمصطفیٰ برساں خویش را'' پر عمل پیرا ہے، اور اجتماعیات انسانیہ کے ضمن میں واقعہ یہ ہے کہ:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
زاں کہ از خاکش بروید آرزو

یا زنورِ مصطفیٰ اُور ابہا ست
یا ہنور اندر تلاش مصطفیٰ ست

تیسری طرف اُمت مسلمہ دوبار عروج اور دوبار زوال سے دوچار ہونے کے بعد اب ایک تیسرے عروج کی جانب پرواز کے لیے پر تول رہی ہے، جس کے اندیشے ابلیسی تہذیب کے جملہ مراکز میں شدت کے ساتھ محسوس ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ''اسلامی بنیاد پرستی'' (Islamic Fundamentalism) کو گولیاں دی جارہی ہیں تو کہیں ''جارحیت پسندانہ اسلام کی پیش قدمی'' (Militant Islam on the March) کی دہائی دی جارہی ہے۔ اور اِس سلسلے میں ایک حدیث نبویؐ کی روشنی میں چند آیاتِ قرآنیہ پر تدبر نہایت مفید ہوگا، جس سے اِن شاءاللہ نہ صرف اِس حقیقت پر یقین واعتماد میں اضافہ ہوگا کہ

کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا!

بلکہ اضافی طور پر علم وحکمت قرآنی کا ایک اور گراں بہا موتی ہاتھ آئے گا اور غلبۂ اسلام اور اُمّتِ مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے عملی اقدام کی جانب اہم رہنمائی ملے گی۔

تاریخ بنی اسرائیل کے چار اَدوار

اِس کتاب کے مقدمے میں اُس حدیث نبویؐ کا ذکر آ چکا ہے جسے امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور جس کی رُو سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''میری اُمت پر بھی وہ تمام احوال لازماً وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے، بالکل ایسے جیسے ایک جوتی دوسری جوتی سے مشابہ ہوتی ہے۔'' اِس حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں غور فرمائیے سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۴ تا ۱۰ پر، جو درج ذیل ہیں:

﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ۙ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا ۝﴾

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو (اپنی) کتاب میں (پہلے ہی) متنبہ کر دیا تھا کہ تم دومرتبہ زمین میں فساد برپا کرو گے اور بڑی سرکشی کا مظاہرہ کرو گے! تو جب آن پہنچا اُن دومواقع میں سے پہلے کا وقت تو مسلط کر دیتے ہم نے تم پر اپنے نہایت جنگجو بندے جو گھس گئے ہر جانب تمہاری آبادیوں میں، اِس طرح وہ اٹل وعدہ پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے لوٹائی تمہاری باری اُن پر اور مدد کی تمہاری اموال واولاد سے اور کر دی تمہاری تعداد بہت کثیر، اگر تم نے بھلا کیا تو اپنے ہی لیے کیا اور اگر برا کیا تو بھی اپنے ہی لیے۔ پھر جب آن پہنچا دوسرے وعدہ کا وقت (تو ہم نے پھر کسی قوم کو تم پر مسلط کیا)، تاکہ وہ بگاڑ دیں تمہارے حلیے اور گھس جائیں مسجد (ہیکل سلیمانی) میں جیسے گھسے تھے پہلی بار، اور تہس نہس کر ڈالیں ہر اُس چیز کو جس پر اُن کو قابو حاصل ہو جائے۔ (اب بھی) بعید نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے، لیکن اگر تم پھر وہی روش اختیار کرو گے تو ہم بھی دوبارہ پہلی سی سزا دیں گے، (رہی آخرت تو اُس میں تو) ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہی

ہوا ہے۔ یقیناً یہ قرآن رہنمائی فرماتا ہے سب سے سیدھی راہ کی جانب اور بشارت دیتا ہے اُن ایمان لانے والوں کو جو نیک اعمال (بھی) کریں کہ اُن کے لیے ہے بہت بڑا اجر وثواب اور یقیناً جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے لیے ہم نے دردناک عذاب مہیا کیا ہے۔''

ان آیاتِ مبارکہ سے تاریخ بنی اسرائیل کے ضمن میں حسب ذیل حقائق واضح ہوتے ہیں:

۱) قرآنِ حکیم کے نزول کے زمانے تک بنی اسرائیل پر چار دور گذر چکے تھے: دو دورِ عروج کے جن کے دَوران اُن کا طرزِ عمل بھی دینی واخلاقی اعتبار سے درست رہا اور انہیں دنیا میں عزت و سربلندی بھی حاصل رہی اور وہ کثرت اموال واولاد کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے انعامات سے بھی بہرہ ور رہے ——— اور دو دورِ زوال کے جن کے دوران انہوں نے نفس پرستی اور بغاوت کی روش اختیار کی، نتیجتاً اُن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور غیر اقوام کے ہاتھوں خود کو بھی ذلیل وخوار اور مفتوح ومغلوب ہوئے اور اُن کے دینی وروحانی مرکز یعنی ہیکل سلیمانی کی حرمت بھی پامال ہوئی۔

۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآنِ حکیم کے نزول کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے ایک تیسرے عروج کا موقع عنایت فرمایا کہ ان کا دامن تھام کر اللہ کی رحمت کے سائے میں آ جائیں، ساتھ ہی یہ وعید بھی سنا دی گئی کہ اگر اس سے اعراض وانکار کی روش اختیار کریں گے تو عذابِ الٰہی کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔

قرآن حکیم کے اِن اشارات کی روشنی میں تاریخ بنی اسرائیل کا جائزہ لیا جائے تو حسب ذیل چار ادوار اُبھر کر نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں:

۱) اُن کے پہلے دورِ عروج کا آغاز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اوّل حضرت یوشع بن نونؑ کی قیادت میں فلسطین کی فتح سے ہوا اور تقریباً تین سو سال تک نشیب وفراز کے مراحل طے کرتا ہوا یہ دورِ سعادت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے عہد حکومت میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا، جو تاریخ بنی اسرائیل کے عہد زریں کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے ساتھ ہی اُن کے پہلے دورِ زوال کا آغاز ہو گیا، اِس لیے کہ فوراً ہی اُن کی سلطنت دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ بہرحال تقریباً تین سو سال ہی میں یہ عہد زوال بھی اپنے نقطۂ عروج (Climax) کو پہنچا۔ چنانچہ اس کے دوران اوّلاً شمال سے آشوریوں نے شمالی سلطنت ''اسرائیل'' کو تاخت وتاراج کیا اور بالآخر ۵۸۷ء قبل مسیح علیہ السلام میں مشرق (عراق) سے آنے والے بنوکد نضر کے حملے نے نہ صرف یہ کہ پوری جنوبی سلطنت ''یہودیہ'' کو تہس نہس کر کے رکھ دیا بلکہ یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، لاکھوں افراد کو قتل کیا، چھ لاکھ یہودی مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھیڑوں اور بکریوں کے گلوں کی طرح ہانکتا ہوا بابل لے گیا ——— اور سب سے بڑھ کر یہ ہیکل سلیمانی کو کلیتہً مسمار کر دیا، حتیٰ کہ اُس کی بنیادیں تک کھود ڈالیں ——— بابل کی لگ بھگ سو سالہ اسیری (Captivity) کا دَور بنی اسرائیل کی ذلت ورسوائی کا شدید ترین زمانہ ہے۔

۳) بنی اسرائیل کے دوسرے دورِ عروج کا آغاز بابل کی اسیری سے شہنشاہ فارس سائرس یا کیخورس یا ذوالقرنین کے ہاتھوں نجات کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے چار سو سال قبل حضرت عزیر علیہ السلام کی تجدیدی واصلاحی مساعی سے ہوا اور دوسری خوشحالی یا سربلندی کا یہ دور بھی لگ بھگ تین سو سال جاری رہا اور اِس کا مظہر اعظم وہ مکابی سلطنت تھی، جو تقریباً ۱۷۰ ق م سے ۶۷ ق م تک نہایت دبدبہ اور شان وشوکت کے ساتھ قائم رہی اور جس نے ایک بار پھر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دَور کی یاد تازہ کر دی۔

۴) بنی اسرائیل کا دوسرا دورِ زوال ۶۳ ق م میں رومی فاتح پومپئی کے ہاتھوں یروشلم کی فتح سے شروع ہوا اور تا حال جاری ہے۔ اِس کے دوران اوّلاً حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت سے اعراض وانکار اور اُن کی شدید دشمنی اور مخالفت کی سزا ۷۰ء میں رومی جرنیل ٹائیٹس کے ذریعے ملی، جس نے

دوبارہ یروشلم شہر اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کیا اور ایک دن میں ایک لاکھ ۳۳ ہزار یہودیوں کو تہہ تیغ کیا اور ۶۷ ہزار کو غلام بنالیا——— اِس کے بعد وقتاً فوقتاً اُن پر اللہ کے عذاب کے کوڑے برستے رہے جن میں تازہ ترین جرمنی میں ہٹلر کے ہاتھوں اُن کا قتل عام ہے، جس کی یاد وہ (Holocaust) نامی پکچر کے ذریعے وقتاً فوقتاً تازہ کرتے رہتے ہیں۔

۵) حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ یہود کے طرزِ عمل کی بناء پر جو مستقل ذلت ومسکنت اُن پر مسلط کردی گئی تھی اُس سے رستگاری حاصل کرنے کا جو موقع اُنہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ[1] کے مطابق جناب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دامانِ رحمت کے سائے میں آجانے اور رحمان کی رحمانیت کے مظہرِ اتم اور حبل اللہ المتین کے مصداق کامل قرآن کو مضبوطی سے تھام لینے کی صورت میں ملا تھا اُسے تو انہوں نے اپنے تکبر وغرور کی بناء پر کھودیا تھا——— اب بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں حَبْلٍ مِّنَ النَّاس کے مطابق مغربی سامراج کے سہارے اُن کی جو سلطنت قائم ہوئی ہے، قرآنِ حکیم کے اشارات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح پیشینگوئیوں پر یقین رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اُس کی اصل حیثیت گل ہونے والے شعلے کی آخری بھڑک اور قریب المرگ مریض کے آخری سنبھالے کے سوا کچھ نہیں۔ اور قدرتِ خداوندی نے موجودہ سلطنت اسرائیل کے ذریعے تمام یہودیوں کو رُوئے ارضی کے کونے کونے سے کھینچ کر ارضِ فلسطین میں جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے تاکہ اُن کا آخری استیصال (Final Extermination) اور اجتماعی تدفین (Mass Burrial) ایک ہی مقام پر بسہولت ہو جائے۔

[1] ﴿ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَاثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾ (سورۂ آل عمران آیت: ۱۱۲)

''جمادی گئی اُن پر ذلت جہاں کہیں بھی پائے جاویں گے مگر ہاں! ایک تو ایسے ذریعے سے جو اللہ کی طرف سے ہے اور ایک ایسے ذریعے سے جو آدمیوں کی طرف سے ہے اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے اور جمادی گئی اُن پر پستی۔''

گذشتہ چودہ سوسال

اور اُمت مسلمہ کے بھی دو عروج اور دو زوال

متذکرہ بالا حدیث نبویؐ، آیاتِ قرآنیہ اور تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں جب ہم اُمت مسلمہ کی چودہ سوسالہ تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو فرمانِ رسولؐ کی معجزانہ صداقت کا ایک عجیب نقش دل پر قائم ہوتا ہے کہ اِس کے دَوران میں بھی ہو بہو ہی دوبار عروج اور دومرتبہ زوال کا نقشہ سامنے آتا ہے۔ چنانچہ:

۱) اُمت مسلمہ کا پہلا دورِ عروج ''امیین'' کی زیرِ سرکردگی لگ بھگ تین ہی صدیوں پر پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے کہ اگرچہ ویسے تو دورِ خلافت راشدہ، دورِ بنی اُمیہ اور دورِ بنی عباس کی مجموعی مدت ساڑھے چھ سوسال بنتی ہے، لیکن اِس میں سے اصل دبدبہ، مرکزیت اور خالص عربی شوکت وسطوت کا دَور تین سو سال ہی کو محیط ہے۔

۲) اُس کے بعد کے چار سوسال زوال کے دورِ اوّل پر مشتمل ہیں۔ عجیب حیرتناک مشابہت ہے کہ اِس کے ''نقطہ عروج'' پر بھی بالکل وہی صورت نظر

آتی ہے کہ اوّلاً شمال سے صلیبیوں کا سیلاب آیا، جس نے شام کے ساحلی علاقوں کو تاخت و تاراج کیا اور ۱۰۹۹ء میں یروشلم کو فتح کر کے مسجد اقصیٰ کی حرمت بھی پامال کی اور لاکھوں مسلمانوں کو بھی تہہ تیغ کیا۔ اور پھر مشرق سے تاتاریوں کا سیلاب آیا جس کے دوران نہ صرف یہ کہ لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان قتل ہوئے، بلکہ ۱۲۵۸ء میں بغداد کی تباہی کے ساتھ خلافت عباسیہ کا چراغ بھی ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔

(۳) اِس کے بعد پھر ایک دَورِ عروج آیا، لیکن ''امیین''، یعنی عربوں کی زیرِ قیادت نہیں بلکہ ''آخرین''، یعنی غیر عرب اقوام میں سے ایک نہایت قوی اور توانا قوم کی زیرِ قیادت جسے، اللہ نے سورۂ محمدؐ کی آخری آیت میں وارد شدہ الفاظ یعنی (ترجمہ) ''اگر تم پیٹھ دکھا دو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔'' کے مطابق پسند فرمایا۔ چنانچہ اللہ نے پہلے اُنہیں مسلمانوں کی پیٹھ پر عذاب کے کوڑے کے طور پر استعمال فرمایا اور بعد ازاں اُنہی کو نہ صرف یہ کہ اسلام کی توفیق دے دی بلکہ عالم اسلام کی قیادت بھی اُنہی کے حوالے کر دی ——— بقول اقبال:۔

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے!

چنانچہ اوّلاً تُرکانِ سلجوقی میدان میں آئے، پھر ترکانِ صفوی، ترکانِ تیموری اور تُرکانِ عثمانی جن کے ہاتھوں عظیم سلطنتوں کی بنیاد پڑی ——— اور تُرکانِ عثمانی کی سعادت کا تو کہنا ہی کیا کہ نہ صرف یہ کہ پورے جنوبی ایشیا، شمالی افریقہ اور مشرقی یورپ پر اُن کی شوکت و سطوت کا سکہ جما، بلکہ خلافت اِسلامی کا علم بھی کئی صدیوں تک اُن کے ہاتھوں میں رہا۔

(۴) ٹھیک اُسی طرح جس طرح بنی اسرائیل کا دوسرا دورِ زوال دو یورپی قوموں یونانیوں اور رُومیوں کے ہاتھوں آیا تھا، اُمت مسلمہ کا دوسرا دورِ زوال بھی یورپی استعمار کے سیلاب کے نتیجے میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ ہسپانیہ کی یونیورسٹیوں کے ذریعے علم و حکمت اور فلسفہ و سائنس کی قوتوں سے مسلح ہو کر یورپی اقوام جب بیدار ہوئیں تو ایک عربی محاورے سَمِّنْ کَلْبَكَ یَأْکُلُكَ یعنی اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو گے تو ایک دن تم ہی کو کاٹے گا! کے مطابق انہوں نے اوّلاً دولت ہسپانیہ ہی کو ہڑپ کیا اور پھر ۱۴۹۸ء میں راس اُمید کے راستے کی دریافت کے بعد مغربی استعمار کا سیلاب اِس طویل بحری راستے کے ذریعے عالم اسلام کے دائیں بازو پر حملہ آور ہوا ——— اور یہ عمل موجودہ صدی کے آغاز میں پہلی جنگ عظیم کے موقع پر تکمیل کو پہنچا، جب عظیم سلطنت عثمانیہ کا نام و نشان مٹ گیا اور صرف ایک چھوٹا سا ملک ترکی باقی رہ گیا، خلافت اسلامیہ کا چراغ گل ہو گیا ——— اور پورا عالم اسلام یورپی اقوام کی براہِ راست یا بالواسطہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا ——— عجیب حیرت انگیز مماثلت ہے کہ امت مسلمہ کے اِس دوسرے دورِ زوال کے تتمے کے طور پر ۱۹۶۷ء میں مسلمانوں کے عہدِ تولیت کے دوران بھی دوسری بار مسجد اقصیٰ کی حرمت پامال ہوئی اور گزشتہ اٹھارہ برس سے مسلمانوں کا یہ قبلہ اوّل ایک مغضوب و ملعون قوم کے قبضہ و تسلط میں ہے۔

(۵) جس طرح ایک انسانی زندگی کے مختلف ادوار کا معاملہ ہے کہ جوانی کی قوت و شدت کی بنیادیں بچپن اور لڑکپن ہی میں پڑنی شروع ہو جاتی ہیں اور بڑھاپے کے ضعف اور ناتوانی کی جڑیں عین جوانی کے عروج کے وقت جسم انسانی میں جمنی شروع ہو جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح قوموں اور اُمتوں کا معاملہ ہے کہ اُن کے بھی عین عروج کے وقت زوال کے عمل کا آغاز ہو چکا ہوتا ہے اور زوال کی انتہا کے ساتھ ہی عروج کی جانب حرکت شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اب سے لگ بھگ پون صدی قبل جب ملت اسلامیہ ہندیہ کا ایک دردمند فرزند الطاف حسین حالؔی اُمت مسلمہ کی پستی کی انتہا پر نالہ کناں تھا:۔

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے!
اِسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جذر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

اور ؎

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے!

عین اُسی وقت ایک دوسرا مردِ قلندر ملت اسلامی اور اُمت مسلمہ کے عروجِ تازہ کے خواب دیکھ رہا تھا اور پورے یقین واعتماد کے ساتھ پیش گوئی کر رہا تھا کہ:

سرشک چشم مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہؑ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
اگر عثمانیوں پہ کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اب سے لگ بھگ نصف صدی قبل تاریخ انسانی اُمت مسلمہ کے ایک تیسرے دورِعروج کی جانب سفر کا آغاز کر چکی ہے، جس کے نتیجے میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا وہ عمل جو الف ثانی کے تجدیدی کارنامے سے شروع ہوا تھا ان شاء اللہ اسلام کے غلبے پر منتج ہوگا۔ اور اِس کے ضمن میں دو امور تو بالکل قطعی اور حتمی ہیں، یعنی ایک یہ کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۹ کی رُو سے اِس کا فیصلہ کن ذریعہ قرآنِ حکیم کی جانب از سر نو رجوع والتفات کے سوا اور کوئی نہیں، اور دوسرے یہ کہ گذشتہ چار صدیوں کے دوران جملہ تجدیدی مساعی کا اصل مرکز ومعبد برصغیر پاک و ہند رہا ہے۔ البتہ یہ بات صرف گمان غالب کے درجے میں ہے کہ اب اِس سلسلے کے تکمیلی اقدام کے لیے مشیت ایزدی نے ارض پاک کو چن لیا ہے، لیکن یہ بات چونکہ تفصیل طلب ہے لہٰذا اس پر ہمیں مفصل گفتگو کرنا ہوگی۔